بفیض روحانی

جانشین مفتی اعظم حضور تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری

علیہ الرحمۃ والرضوان

زیر سرپرستی

قاضی القضاۃ فی الہند جانشین حضور تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا قادری

مدظلہ العالی والنورانی (سربراہ اعلیٰ جامعۃ الرضا)

پاسبان مسلک اعلیٰ حضرت، ترجمان فکر رضا

ماہنامہ

جامعۃ الرضا

بریلی شریف

شوال المکرم

1442ھ

منجانب:

اساتذۂ کرام

مرکز الدراسات الاسلامیۃ

جامعۃ الرضا

زیر اہتمام

ویب سائٹ- www.cisjamiturraza.ac.in

ای میل- jamiaturraza@gmail.com

۸۲ سوداگران، بریلی شریف، یوپی- 243003

اس ماہنامہ کو جامعۃ الرضا کے آئی ٹی سیل نے کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کر کے شائع کیا

فہرست مشمولات

□□□□

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از: حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا

جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چہچہا کہرام ہو ہی جائے گا

سائلو! دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

مفلسو ان کی گلی میں جا پڑو
باغ خلد اکرام ہو ہی جائے گا

اب تو لائی ہے شفاعت عفو پر
بڑھتے بڑھتے عام ہو ہی جائے گا

غم تو ان کو بھول کر لپٹا ہے یوں
جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

مٹ کہ گر یونہی رہا قرض حیات
جان کا نیلام ہو ہی جائے گا

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از: حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ

حبیبِ خدا کا نظارا کروں میں
دل وجان اُن پر نثارا کروں میں

یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
تیرے نام پر سب کو وارا کروں میں

تیرے نام پر سر کو قربان کرکے
تیرے سر سے صدقے اُتارا کروں میں

میرا دین وایماں فرشتے جو پوچھیں
تمھاری ہی جانب اشارا کروں میں

خدا را اب آؤ کہ دم ہے لبوں پر
دمِ واپسی تو نظارا کروں میں

مجھے اپنی رحمت سے تُو اپنا کرلے
سوا تیرے سب سے کنارہ کروں میں

میں کیوں غیر کی ٹھوکریں کھانے جاؤں
تیرے در سے اپنا گزارا کروں میں

تیرا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یونہی زندگانی گزارا کروں میں

دمِ واپسی تک تیرے گیت گاؤں
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکارا کروں میں

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ
مدینے کی گلیاں بُہارا کروں میں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے!

از: محمد شکیل بریلوی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

ابتدائے آفرینش سے ہی اہل حق کی تاریخ اپنے اندران حقائق کو سموئے ہوئے ہے کہ جن کے مطالعے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ محض اتفاقی اور انسانی طاقت کے کارنامے نہیں بلکہ اس کی ہر ہر حقیقت حیرت انگیز اور انگشت بدنداں کر دینے والی ہے، نار نمرود میں جلوہ ابراہیمی ہو یا دریائے نیل میں عبور موسوی، چاہ کنعان سے لیکر تخت شاہی تک یوسفی جلوہ سامانی ہو یا شکم ماہی میں یونسی سکونت وغیرہ، یہ سب وہ حقائق ہیں جو انسانی فہم و فراست سے بالاتر ہیں۔ بعدہ عہد رسالت سے لیکر آج تک احقاق حق و ابطال باطل کے لئے چاہے وہ معرکہائے حق و باطل (خواہ وہ صحابہ کرام نے لڑے یا ان کے بعد دیگر سلاطین اسلام نے) ہوں یا اشاعت حق و تبلیغ دین کے دیگر ذرائع، صحابہ کرام کی اپنی طاعات وعبادات ہوں یا مابعد صحابہ سلف صالحین کی، ہر ایک میں غور وفکر کرنے کے بعد یہی حقیقت رونما ہوتی ہے کہ یہ محض انسانی طاقت کے کارنامے نہیں بلکہ پس پردہ ضرور کوئی قوت محرکہ کارفرما ہے جس کے سبب ان ذوات قدسیہ سے یہ حیرت انگیز کارنامے رونما ہو رہے ہیں، یہی قوت محرکہ اور حرارت غریزیہ عشق سے تعبیر ہے۔

یہ عشق ہی کی کارفرمائی ہے کہ اعلان نبوت کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہونے والے فدایان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا وآخرت میں "وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" کے تمغے سے نوازے جا رہے ہیں، یہ عشق ہی ہے کہ جب ابو جہل جیسا بد بخت کہتا ہے اے محمد معاذ اللہ تم سے زیادہ بدصورت کوئی نہیں تو رحمت عالم کے جانثار کی زبان یوں کھلتی ہے کہ یا رسول اللہ آپ سے زیادہ حسین وجمیل میں نے آج تک کسی کو دیکھا ہی نہیں، اہل وعیال کی پرواہ کئے بغیر شب ہجرت جان ہتھیلی پر رکھ کر رسول خدا کی رفاقت میں سفر طے کر رہے ہیں اور اس کو زندگی کی معراج سمجھ رہے ہیں غار میں برسوں پرانے اژدہے کے زہر کی تکلیف سے آنکھوں سے اشکوں کی روانی گوارا ہے مگر خواب محبوب میں خلل گوارا نہیں لشکر اسلام کی تیاری کے لئے اثاثہ جمع کرنے کا اعلان ہوتا ہے اہل وعیال کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر کے کل مال لاکر بارگاہ رسالت میں بخوشی رکھ دیتے ہیں اور اس حب خدا وحب رسول کا انعام یہ ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء کا سہرا سر پر سجتا ہے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب عطا ہوتا ہے، عزو ناز خلافت اور چشم وگوش وزارت ان کی شان ہو جاتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان فیض سے ان کی شان یوں بیان فرماتے ہیں: **لو کنت متخذا من امتی خلیلا لاتخذت ابا بکر و لکن اخی و صاحبی** (بخاری ج ۱ ص ۵۱۶) اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور میرے دوست ہیں۔

مشرف با اسلام ہونے سے پہلے یہ تیور کہ دیکھیں کون محمد ابن عبد اللہ کو میری تلوار سے بچائے گا اور حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد یوں تیور بدلتے ہیں کہ دیکھیں کون جان عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھائے گا، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالنے سے پہلے حق گو زبان کے لئے تلوار میان سے باہر ہوتی ہے اور حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اب مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

کے فیصلہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنے والے کے لئے ہمیشہ شمشیر بکف ہیں ،عشق رسالت کا جام نوش فرمانے کے بعد شان یہ ہوتی ہے کہ آقا فرماتے ہیں: **لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب** (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۹) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ابن خطاب ہوتے ،نیز فرماتے ہیں: **یاابن الخطاب والذی نفسی بیدہ ما لقیک الشیطان سالکا فجا قط الا سلک فجا غیر فجک** (بخاری ج ۱ ص ۵۲۰) اے ابن خطاب قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب شیطان تمہیں کسی راستے پر چلتے دیکھتا ہے تو اپنا راستہ بدل لیتا ہے ،خدا دوستی ،ہمزبان نبی ترجمان نبی اور عدالت کی شہسواری ان کی شان ہوجاتی ہے۔

عرب کے وہ غلام جن کی حیثیت ان کے آقاؤں کی نظر میں چوپایوں سے بھی گئی گزری تھی مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹا اپنے گلے میں ڈالنے کے بعد محمود وایاز سب ایک صف میں کھڑے ہیں اور فرمان نبوی: **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** سے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے نجوم ہدایت اور ہر مومن غیر صحابی کے سر کا تاج بن گئے۔

حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ان فدایان مصطفی کا مقصد حیات روز وشب فقط خالق کائنات اور اس کے محبوب کی رضا جوئی ہوگیا ،آپ کے اوامر ونواہی پر کما حقہ عمل انکا طرز زندگی ہوگیا اور ان کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اللہ ورسول کی اطاعت ہی تھی یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشراف قریش کے پاس انہیں یہ خبر دینے کے لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لئے بقصد عمرہ آئے ہیں جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے مکہ بھیجا حضرت عثمان نے اشراف قریش کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا اس سال تشریف نہ لائیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ آگئے ہیں آپ چاہیں تو کعبہ کا طواف کرسکتے ہیں وہاں عشق غالب آیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کرنے سے انکار کردیا ،شب ہجرت قریش کے حصار میں یہ دیکھتے ہوئے کہ موت سامنے کھڑی ہے جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بستر نبوی پر استراحت اور پھر یہ احساس کہ اس رات جیسی بے خبری کی نیند آئی ویسی نیند زندگی میں کبھی نہیں آئی بھی اسی عشق کا جلوہ ہے،مقام صھبا میں نماز عصر کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے دوسری طرف محور عقیدت محو خواب ہیں اب عشق وعبادت کا اجتماع حضرت شیر خدا شش وپنج میں ہیں کہ کسے انجام دوں کسے ترک کروں یہاں بھی عشق غالب آیا اور محبوب کے آرام کی خاطر یہ سوچ کر کہ جس مختار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر شمس وقمر بلکہ کل کائنات کی تخلیق ہے ان کے حکم سے ڈوبتے ہوئے سورج کی رجعت بھی ممکن ہے اور جب میں ان کی اطاعت میں رہوں گا تو وہ بھی یقیناً مجھے عبادت الٰہی سے محروم نہیں کریں گے بالآخر سورج ڈوب گیا نماز قضا ہوئی جب رحمت عالم بے دار ہوئے تو سورج کو پلٹنے کا حکم دے کر حضرت شیر خدا کو نماز عصر پڑھنے کا موقع عنایت فرمایا ایسی محبت رسول اور جاں نثاری کی شان یہ ہوتی ہے کہ آقا فرماتے ہیں: **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۳) جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کل مومنین کا ولی وسردار ہونے کا اعزاز حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوا

اور اس جیسی بے شمار مثالیں ان صحابہ کرام کی ہیں جن سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک افضل العبادات

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت ہے جو کہ محبت کا ثمرہ ہے اور درحقیقت طاعت بھی کما حقہ فرامین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا نام ہے جیسا کہ خود خالق کائنات کا فرمان ہے:" وما اٰتکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنه فانتھوا" (سورہ حشر آیت ۷) اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ عشق رسول میں سرشاران جاں نثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات کا حال یہ کہ رات تو ختم ہو جاتی مگر عشق وعرفان میں ڈوبا ہوا ایک سجدہ مکمل نہ ہوتا دن بھر محنت شاقہ سے قوت لا یموت کی تلاش اور رات ہوتے ہی بارگاہ خداوندی میں سربسجود اس تمنا کہ ساتھ کہ کاش ایک رات تو ایسی ہوتی جس میں اپنے مالک حقیقی کے حضور جی بھر کر سجدہ ریز ہو جاتے نتیجے میں ان کے لئے بحکم ربانی "لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ" (سورہ یونس آیت ۶۴) دنیا اور آخرت دونوں میں خوشخبری ہوتی ہے

عشق وعرفان کے ساتھ جذبہ ایمانی کا بدیہی مظاہرہ میدان کارزار غزوات وسرایا و دیگر سلاطین اسلام کی جنگوں میں ہوتا ہے مقام بدر پر ہونے والی اسلام کی پہلی باضابطہ جنگ کی روداد اس کا بین ثبوت ہے ایک ہزار کے مسلح لشکر جرار کے سامنے نہتھے پا پیادہ تین سو تیرہ افراد کی فتح و نصرت اسی محبت خدا و رسول کا ثمرہ ہے، کیا بچے کیا بوڑھے جاں نثاری کا عالم یہ کہ ہر ایک میدان کارزار میں جا کر جام شہادت نوش کرنے کے لئے بے قرار، نہ قلت تعداد کی فکر نہ اسباب کی عدم فراہمی کا شکوہ، ادھر بے قراری کا جب یہ عالم تو وعدہ الٰہی کے مطابق نصرت ربانی بھی ملائکہ کی شکل میں آئی اور یہ اسلام کی وہ واحد جنگ بن گئی جس میں فرشتوں نے اہل حق کی جانب سے قتال کیا اور اس میں بہت سارے سرداران قریش واصل جہنم ہوئے، اس کے علاوہ حق و باطل کے مابین دیگر تمام معرکے بھی اس کے مظہر ہیں۔

عشق کی یہ جلوہ سامانیاں فقط خیر القرون میں ہی نہیں بلکہ خیر القرون کے بعد بھی اب تک جاری ہیں اور تا قیام قیامت جاری رہیں گی اسلامی جہاد نیزوں اور تلواروں سے لڑا گیا یہ عشق اس میدان کارزار میں جلوہ فرما رہا اور جب جہاد بجائے نیزوں اور تلواروں کے زور بیان یا زور قلم سے لڑا گیا تو یہ عشق وہاں بھی کارفرما نظر آیا، جب جب اہل باطل نے عظمت خدا و رسول پر حملے کئے تب تب اہل حق نے زور بیان اور زور قلم سے اس کا دندان شکن جواب دیا مبلغین اسلام اور مجددین اسلام کے تبلیغی و تجدیدی کارنامے اسکے شواہد ہیں، اولیا اللہ کے حیرت انگیز مجاہدات و ریاضات سب کا مدار اللہ و رسول کی محبت پر ہے مجاہدات و ریاضات کے منازل طے کرنے کے بعد جب معرفت حق کا جام نوش فرما لیتے ہیں تو پھر ان کے مرتبوں کا یہ عالم کہ ان کو قرب الٰہی کا وہ درجہ حاصل ہوتا ہے کہ آنکھ ان کی ہوتی ہے دیکھنا خدا کا ہوتا ہے، کان انکے ہوتے ہیں سننا خدا کا ہوتا ہے، ہاتھ ان کے ہوتے ہیں پکڑنا خدا کا ہوتا ہے، پیر ان کے ہوتے ہیں چلنا خدا کا ہوتا ہے، ہواؤں کی روانی موجوں کی طغیانی سب ان کے تابع ہو جاتی ہیں خلائق کو ان کے لئے مسخر کر دیا جاتا ہے پھر وہ اہل اللہ دنیا والوں کے مابین تارک دنیا ہو کر رہتے ہیں اور اپنی حیات کے لمحے لمحے سے دنیا والوں کو خدا و رسول کی محبت کے جام سے سرشار کرتے نظر آتے ہیں چوروں کو ابدال بناتے ہیں گم گشتگان راہ کو نہ صرف راہ حق پر لاتے ہیں بلکہ اپنی ایک نگاہ ناز سے ان کو منازل ولایت طے کرا دیتے ہیں ان کی مجالس وعظ میں حاضری سعادت دارین کا ضامن ہوتی ہے یہی وہ ذوات قدسیہ ہیں جن کی زیارت اور مصافحہ ومعانقہ سب میں قدرت خداوندی اور شان رسالت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

ان ذوات قدسیہ میں بھی دوطرح کی شخصیات ہیں ایک وہ کہ جن کا لمحہ لمحہ حدود شرع کی پاسداری میں گزرتا ہے جو کہ عین ثمرہ عشق ہے مگر ان کی شہرت بجائے عشق کے دوسرے امور دینیہ مثلاً نظام سلطنت اسلامیہ، تعلیم و تعلم احکام دینیہ شرعیہ میں ہوتی ہے سلاطین اسلام اور علمائے اعلام ائمہ کرام کا شمار انہیں شخصیات میں ہوتا ہے اور ان کے اندر ایسا ولولہ عشق کہ ایک دشمن اسلام "ارناط" نے شان محبوب خدا میں تحقیرأیہ الفاظ کہہ دئے کہ "**این محمدکم دعوہ ینصر کم**" تو حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی جلال میں آگئے فوراً نیت کرلی کہ جہاں بھی اس گستاخ پر قابو پایا تو اس کو قتل کر دوں گا اور محدثین کرام دور دراز سفر کر کے فرامین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اخذ و جمع کرتے اور جمع میں بھی یہ عادت کریمہ کہ اخذ حدیث سے پہلے دو رکعت نفل نماز ادا کرتے پھر اخذ حدیث کرتے۔ اور دوسری وہ شخصیات کہ جن کو کمال شہرت عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ہے صوفیائے کرام، مداحان خیر الانام رومی و جامی وغیرہ کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے مگر اسی خاکدان گیتی پر کچھ ایسی بھی شخصیات ہیں جو دونوں کا سنگم ہیں تعلیم و تعلم احکام شرعیہ کی بات آئے تو اس میں ان کا وجود سند کی حیثیت رکھتا ہے اور کمال عشق کی بات آئے تو اس میں بھی ان کا شمار عشاقان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی صف اول میں ہوتا ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ برصغیر ہند و پاک میں چودہویں صدی کے عظیم مجدد اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کا ذکر ہوتا ہے۔

امام اہل سنت نے اپنی حیات مستعار کے بیشتر حصے میں احکام شرعیہ کی تحقیق و تمحیص سے امت مسلمہ کی بروقت صحیح و ضروری رہنمائی جہاد بالقلم کے ذریعے فرمائی اور رہا عشق مصطفیٰ تو اس کو علما کرام ان کا تجدیدی کارنامہ بیان کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی حیات کا لمحہ لمحہ عشق مصطفیٰ کے جام سے سرشار تھا فقط چند گھنٹوں میں مراجع و مآخذ کی عدم فراہمی کے باوجود علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر الدولۃ المکیہ جیسی تحریر وجود میں آنا اسی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین ہے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے زبان وقلم جب بھی کھلے تو یا تو ثنائے حبیب خدا میں یا پھر گستاخان ماہ رسالت کی سرکوبی میں، چنانچہ گویا ہیں:

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

نیز فرماتے ہیں

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

امام اہل سنت نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جام پیا اور پلایا اس کا خمار خصوصیت کے ساتھ آپ کے خانوادے میں آج تک موجود ہے آپ کے شہزادگان حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ اور نبیرگان بالخصوص حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ کی بھی حیات امام اہلسنت کی حیات کا آئینہ دار ہے اور ان حضرات کو عشق مصطفیٰ کے صدقے کیسے بلند مراتب بارگاہ رب العزت اور بارگاہ رسالت میں حاصل ہوئے وہ کسی پر مخفی نہیں اللہ رب العزت نے اسی محبت کے صدقے ان کے ذکر کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا اور ہر سنی صحیح العقیدہ کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔

بطفیل عشق مصطفیٰ یہ تو اسلام کی روشن تاریخ اور ان ذوات قدسیہ کا ذکر خیر ہوا جنھوں نے خدا اور سول کی رضا جوئی کے لئے اپنی زندگی کو فنا کر دیا اور لمحہ لمحہ فقط رضائے الٰہی کے جویا رہے اب ذرا ہمیں اپنی زندگانی کا بھی محاسبہ کرنا چاہئے

کہ ہم اپنی اس حیات مستعار میں کتنے غافل ہیں اور ہمارے سینوں میں عشق مصطفیٰ کی رمق کا کیا حال ہے غفلت کا عالم یہ ہے کہ دنیا و مافیہا میں ایسے مستغرق ہیں کہ بمشکل فقط پنجگانہ کی ادائگی ہی کمال تقویٰ سمجھ بیٹھے ہیں قرب الٰہی جیسی نعمت عظمیٰ سے سرفراز کرنے والی نفل عبادات کا تیزی سے فقدان ہو ہا ہے دیگر ارکان اسلام کا حال بھی کسی ذی فہم پر پوشیدہ نہیں اسلامی اقدار کی پامالی کس برق رفتاری سے ہو رہی ہے یہ ہم سب جانتے ہیں جدت اور روشن خیالی کی آڑ میں اسلامی تعلیمات کو قدامت پسندی اور دقیانوسیت کا بدنما داغ لگا کر پس پشت ڈالا جا رہا ہے شریعت کو طبیعت کے مطابق ڈھالنے پر آمادہ ہیں مگر طبیعت پر شریعت کو ترجیح دینا منظور نہیں ، اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہے کہ عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر نعرہ تو ضرور لگتا ہے "ہمارے نبی کی دیکھو شان بچہ بچہ ہے قربان" مگر چند لمحوں کے بعد وہ جذبہ قربانی اتنا سرد پڑ جاتا ہے کہ اسی روز فرمان خدا و رسول پر عمل کرتے ہوئے مسجد تک جانا دشوار ہو جاتا ہے افسوس جس عشق کا جام پینے والے خیر القرون میں ایک نقارے پر بستر استراحت سے اٹھ کر میدان کارزار میں پہونچ جاتے تھے آج اسی عشق کا دعویٰ کرنے والے اذان کی صداؤں کو سن کر بھی مسجد تک نہیں پہونچ پاتے نتیجہ یہ ہے کہ اپنی انہیں بداعمالیوں کے سبب من جانب اللہ آزمائش میں مبتلا ہیں ذلت و رسوائی ہمارا مقدر ہوتی جا رہی ہے ظالم حکمرانوں کا تسلط ہو رہاہے ، روز بروز دشمنان اسلام کی جانب سے اہل اسلام پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے عظمت خدا و ناموس رسالت پر حملے ہو رہے ہیں اور ہم اپنی بے بسی کا رونا تو رہے ہیں مگر یہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں کہ یہ سب ہماری بداعمالیوں کا ہی نتیجہ ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:" **و ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر** " (سورہ شوریٰ آیت ۳۰) اور تمہیں جو مصیبت پہونچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔ شوکت اسلامی تو یہ ہے تھی کہ ایک مرد حق آگاہ کے سامنے لشکر جرار بھی کانپتا نظر آتا تھا اور آج تعداد کی کثرت کے باوجود ہم ذلیل و خوار ہیں

ایسے میں ہمیں چاہئے کہ اپنے ایمان کا محاسبہ کریں اور بارگاہ خداوندی میں صدق دل سے توبہ و رجوع کریں گناہ چاہیں صغائر ہوں یا کبائر ان سے اجتناب کریں خدا و رسول کے فرامین پر کما حقہ عمل کریں شوکت اسلام کی تاریخ اور اس کے اسباب کا مطالعہ اور ان پر عمل کریں نیز بموجب حکم الٰہی "**یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین**" (سورہ بقرہ آیت ۱۵۳) آزمائش پر صبر و شکر سے کام لیں اور مصیبت پر بارگاہ خداوندی میں سر بسجود ہو کر استعانت کریں تو وہ دن دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرماتے ہوئے اسلام و مسلمانوں کی عظمت رفتہ واپس کر دے اور شوکت اسلامی کا پرچم چار دانگ عالم میں بلند ہو۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم تمام اہل اسلام کو سچی توبہ نصیب فرمائے اور خدا و رسول کی طاعت میں ہی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ و اکرم التسلیم

□□□

عیدالفطر کا اسلامی تصور!

از: محمد عظیم رضا مرکزی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

عیدالفطر تمام عالم اسلام کے لیے مسرت و شادمانی اور اظہار نعمت خداوندی کا خوبصورت ترین دن ہے دراصل اس مبارک دن میں بارگاہ الٰہی سے اس کے بندوں پر رحمت و مغفرت اور انعام و اکرام کی جھما جھم برسات ہوتی ہے اسی لئے شب عیدالفطر کو لیلۃ الجائزۃ بھی کہا جاتا ہے۔

عیدالفطر کی فضیلت:

بندگان خدا ماہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں، نماز تراویح ادا کرتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت و سماعت کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، حتی المقدور گناہوں سے کنارہ کش ہو کر نیکیوں میں مصروف رہتے ہیں تو رب کریم اپنے بندوں کو ان کی اس محنت شاقہ کا اجر و ثواب اسی عیدالفطر کے دن عطا فرماتا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عیدالفطر کی مبارک رات آتی ہے اس کو لیلۃ الجائزۃ (خصوصی انعام و اکرام کی رات) بھی کہا جاتا ہے اور عیدالفطر کی صبح میں فرشتے زمین پر تشریف لاتے ہیں اور راستوں میں کھڑے ہو کر یوں ندا کرتے ہیں "یا أمة محمد! أخرجوا إلى رب كريم يعطي و يعفو عن الذنب العظيم" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیو! رب کریم کی طرف (نماز عید کے لئے) نکل چلو وہ تمہیں بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور بڑے گناہ معاف کرے گا، اور جب بندے نماز عید کے لیے عیدگاہ کو نکلتے ہیں تو فرشتوں سے فرماتا ہے: "یا ملائكتي ما أجر الاجير إذا عمل عمله" اے میرے فرشتو! مزدور کی مزدوری کیا ہے جب وہ اپنا کام پورا کرلے؟ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے معبود، اے ہمارے مالک! اس کا اجر یہ ہے کہ اسے اس کی پوری مزدوری عطا کی جائے تو اللہ فرماتا ہے: اے فرشتو! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ ان کے مہینے بھر کے روزوں اور رات کی نمازوں کا ثواب میں نے یہ کیا کہ ان کے لیے میری رضا ہے اور میری مغفرت ہے، پھر اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتا ہے: "يا عبادي سلوني فوعزتي و جلالي لا تسألوني اليوم شيئا في جمعكم لآخرتكم إلا أعطيتكم و لا لدنياكم إلا نظرت لك" اے میرے بندو! مجھ سے سوال کرو میری عزت و جلال کی قسم تم آج اپنی آخرت یا اپنی دنیا کے لیے جو بھی بھلائی مانگو گے میں تمہیں وہ عطا فرماؤں گا۔ (ذکریٰ للذاکرین، الترغیب والترھیب)

دوسری روایت میں ماہ رمضان اور اس یوم سعید کی شان یوں بیان فرمائی ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أُعْطِيَتْ أُمَّتِي خَمْسَ خِصَالٍ فِي رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهَا أُمَّةٌ قَبْلَهُمْ: خُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ حَتَّى يُفْطِرُوا، وَيُزَيِّنُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلَّ يَوْمٍ جَنَّتَهُ، ثُمَّ يَقُولُ: يُوشِكُ عِبَادِي الصَّالِحُونَ أَنْ يُلْقُوا عَنْهُمُ الْمُؤْنَةَ وَالْأَذَى، وَيَصِيرُوا إِلَيْكِ. وَيُصَفَّدُ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ فَلَا يَخْلُصُوا فِيهِ إِلَى مَا كَانُوا يَخْلُصُونَ إِلَيْهِ فِي غَيْرِهِ، وَيُغْفَرُ لَهُمْ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ". قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: "لَا، وَلَكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفَّى أَجْرَهُ إِذَا قَضَى عَمَلَهُ۔ (مسند أحمد | مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماہ رمضان میں میری امت کو پانچ ایسی خصلتیں عطا کی گئیں جو پچھلی کسی امت کو عطا نہ ہوئیں (۱) روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے (۲) اور ان کیلئے فرشتے وقت افطار تک مغفرت کی دعا کرتے ہیں (۳) اور ہر دن اللہ تعالیٰ جنت کو مزین کرکے فرماتا ہے: قریب ہے کہ میرے نیک بندوں سے تھکاوٹ و تکلیف ہٹالی جائے اور وہ تیری طرف آئیں (۴) اور سرکش شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے پھر رمضان بھر انہیں آزاد نہیں کیا جاتا حالانکہ غیر

رمضان میں وہ آزاد گھومتے ہیں (۵) اور انہیں رمضان کی آخری رات میں بخش دیا جاتا ہے عرض کی گئی: کیا وہ شب قدر ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ کام کرنے والے کو پوری مزدوری تبھی ملتی ہے جب وہ اپنا کام پورا کرلے۔ (اور وہ شب عید الفطر ہے)

عید سعید کا پس منظر:

ہجرت مدینہ سے قبل باشندگان مدینہ دو دن بشکل تہوار مناتے تھے جن میں وہ کھیل کود میں مشغول ہوتے اور واہیات کا ارتکاب کرتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا، فَقَالَ: مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔ (سنن أبي داود بابٌ: صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے، اس زمانہ میں اہل مدینہ سال میں دو دن خوشی کرتے تھے (مہرگان و نیروز) فرمایا: یہ کیا دن ہیں؟ لوگوں نے عرض کی، جاہلیت میں ہم ان دنوں لہو و لعب کرتے تھے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن تمھیں عطا فرمائے ہیں عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

یوں تو ہر مذہب و ملت میں تہوار اور خوشیاں منائی جاتی ہیں مگر طریقہ ہر ایک کا الگ ہے کہیں ان مواقع پر شراب نوشی کا دور چلتا ہے تو کہیں رقص و سرور کی محفلیں سجتی ہیں اور کہیں شعر و غزل گوئی کے اسٹیج لگتے ہیں مگر یہ اسلام کا فیضان خاص ہے کہ اس نے خوشیاں منانے کے طور طریقے کو بھی پاکیزہ سانچے میں ڈھال دیا ہے مذکورہ بالا حدیث اسی دینی تہذیب و فکر کی ترجمانی کر رہی ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے طریقۂ تہوار جس میں لہو و لعب اور بے راہ روی کا ارتکاب کیا جاتا تھا اسلام نے اس پر پابندی عائد کرتے ہوئے حکم دیا کہ خوشیاں منانے کا طریقہ یہ ہو کہ پہلے نعمتوں سے نوازنے والے منعم کا شکر ادا کرلیا جائے اور سجدہ ریز ہوکر اپنے خالق و رازق کو راضی کرلیا جائے پھر مصافحہ و معانقہ کرکے انسانیت کو درس مواخات و مواسات دیا جائے جو خالص دینی تعلیم اور اسلامی تہذیب ہے۔

عید خاص رحمت و مغفرت کا دن:

بندہ کتنا ہی بڑا خطا کار ہو مگر رحمت پروردگار سے ناامید ہونا اس کے لیے جائز نہیں وہ بڑا رحیم ہے بندوں کو حکم دیتا ہے: "لا تقنطوا من رحمة الله۔ (سورہ زمر آیت ۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، ویسے تو اس کے بندے ہر دن اس کی رحمت کا حصہ پاتے ہیں مگر کچھ خاص ایام و اوقات ہیں جن میں دریائے رحمت جوش پر ہوتا ہے انہیں میں ایک دن عید الفطر کا ہے جس میں رب تعالیٰ بندوں کو خاص رحمت و مغفرت عطا فرماتا ہے چنانچہ سیدنا وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب بھی عید آتی ہے شیطان چلا چلا کر روتا ہے تو تمام شیاطین اس کے پاس جمع ہوکر پوچھتے ہیں: اے آقا آپ کیوں حیران و اداس ہیں؟ وہ کہتا ہے: ہائے افسوس آج کے دن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو بخش دیا ہے لہذا تم انہیں لذتوں اور نفسانی خواہشات میں مشغول رکھو۔ (مکاشفۃ القلوب)

بروز عید بندگان خدا اپنے رحیم و غفور رب کی بے پایاں رحمتوں اور بخششوں پر خوشیاں مناتے ہیں تو دوسری طرف بندوں پر اس قدر کرم نوازیاں دیکھ کر شیطان بدحواس ہوتا ہے اور انہیں دنیاوی لذتوں اور خواہشات میں مشغول رکھ کر رحمت خداوندی سے محروم رکھنے کے لئے طرح طرح کے جال بچھاتا ہے اس لیے جب بھی عید سعید آئے تو ضروری ہیکہ مثل اسلاف کرام علیہم رحمۃ الرحمن عبادات و حسنات اور صدقات و خیرات کو کثرت سے عمل میں لایا جائے مگر افسوس آج مسلم نوجوان عید مبارک کا حقیقی مقصد فراموش کر بیٹھے ہیں اور شیطانی ہتھکنڈوں میں پھنس کر گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ نوجوان عید کے موقع پر تصویروں والے زرق برق لباس زیب تن کرتے ہیں جو کہ سخت حرام ہے، فلمی ڈراموں کا اہتمام کرتے ہیں جو مفسد حسنات ہے، گناہوں بھرے میلوں کی سیر کرتے ہیں جس کے سبب ان کے لیے یہ یوم سعید یوم وعید بن جاتا ہے۔

عید الفطر اور خوف خدا:

عید الفطر یقینا خوشی کا دن ہے مگر انہیں خوش نصیب روزے دار

مسلمانوں کے لیے جنہیں رمضان کے روزے رکھنے کی توفیق ملتی ہے صرف بازاروں کی چہل پہل، بیہودہ محفلوں کی شرکت اور غیر شرعی تفریحات میں مگن ہوکر عید مبارک کی حقیقی خوشی کو ہرگز حاصل نہیں کیا جاسکتا البتہ جن دلوں میں نور تقوی جلوہ گر ہوتا ہے وہ ضرور اس حقیقی سعادت سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور یوں خوف الٰہی کا پیغام جانفزا دیتے ہیں، حضرت علامہ عبدالمصطفی اعظمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: عید کے دن کچھ لوگ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو دیکھا امیر المومنین زار وقطار رو رہے ہیں لوگوں نے عرض کی: اے امیر المومنین! آج تو عید کا دن ہے یہ خوشی کی جگہ آنسو کیسے؟ فرمایا: "**هذا يوم العيد و هذا يوم الوعيد**" یہ عید اور وعید دونوں کا دن ہے جس کے نماز، روزے قبول ہو گئے اس کے لیے عید کا دن ہے اور جس کے مقبول نہ ہوئے اس کے لیے وعید کا دن ہے پھر تواضعا فرمایا: **أدري أمن المقبولين أم من المطرودين**" -اللہ اکبر-

صحابہ وہ صحابہ جن کی ہر صبح عید ہوتی تھی
خدا کا قرب حاصل تھا نبی کی دید ہوتی تھی

عید تعاون ومواسات کا دن:

اسلام اور اس کے اصول عالمگیر ہیں اس کے احکام کسی خاص طبقے تک محدود نہیں ہیں، عید الفطر کے دن روزہ رکھ کر رب تعالیٰ کی نعمتوں پر اظہار خوشی بھی اسلامی حکم لہذا اس کی خوشیاں بھی کسی خاص حلقے تک محدود نہیں رہ سکتیں اسی لیے اسلام اپنے پیروکاروں میں جو صاحب دولت وثروت ہیں انہیں حکم دیتا ہے کہ عید کی خوشیوں میں مشغول ہونے سے پہلے اپنے عزیز واقارب اور پاس پڑوس کا جائزہ لے لو کہیں کوئی تمہارا بھائی مفلسی وناداری کا شکار تو نہیں اگر ہے تو ان کا حصہ جلد ادا کردو ورنہ تمہارا یہ جشن عید کمال کو نہیں پہنچے گا اور نہ تمہارے روزے اپنے کمال کو پہنچ سکیں گے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کا روزہ زمین وآسمان کے درمیان معلق رہتا ہے جب تک صدقۂ فطر ادا نہ کرے۔(بہار شریعت) جس طرح صدقہ کی ادائیگی روزے کو کمال تک پہنچاتی ہے اسی طرح یہ صدقہ روزے میں آئیں خامیوں اور کمیوں کو دور کر کے روزے کو طہارت و پاکیزگی بخشتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا: **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکَاۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَۃً لِلْمَسَاکِینِ، مَنْ أَدَّاھَا قَبْلَ الصَّلَاۃِ فَھِيَ زَکَاۃٌ مَقْبُولَۃٌ.** (سنن أبي داود، باب زكاة الفطر)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر مقرر فرمایا کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے روزے دار کی طہارت ہو جائے اور مسکینوں کی خوراک ہو جائے، جو نماز سے پہلے اسے کر دے تو وہ مقبول صدقہ ہے۔اسلام اسی بات کا خواہاں ہے کہ امیری وغریبی اور رنگ ونسل کے تمام نشیب وفراز معاشرے سے ختم کر کے ہی عید سعید کی خوشیاں یکساں طور پر منائی جائیں نہ امیروں کو دولت پر ناز رہے اور نہ کوئی غریب خوشیوں سے محروم رہے۔

عید عالمی اتحاد کا نظارہ:

مذکورہ تحریر سے واضح ہے کہ عید مبارک اہل اسلام کے لیے رحمت ومغفرت، مواخات ومواسات، عبادات وحسنات، طہارت قلب اور تزکیۂ نفس کا دن ہے ساتھ ہی عید الفطر کا دن اسلامی تعلیمات کے طفیل عالمی اتحاد کا درس بھی دیتا ہے اس مبارک دن میں ہر جگہ لاجواب اجتماعیت کا منظر نمایاں ہوتا ہے، اہل اسلام یکجا ہوکر ادائے بندگی کے ساتھ رمضان میں ملنے والی برکتوں اور نعمتوں کا فراخ دلی سے اپنے رب کریم کا شکر ادا کرتے ہیں کچھ دیر کے اجتماعی اتحاد کا یہ نظارہ بڑا ہی پر کشش اور دلکش ہوتا ہے جس میں امیری وغریبی، رنگ ونسل، ذات پات کی ہر دیوار زمیں بوس ہو جاتی ہے اور تمام فرزندان توحید "**كأنهم بنيان مرصوص**" کی عکاسی کرتے ہوئے یہ پیغام دیتے ہیں

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

□□□

غیر اللہ سے استمداد!

از: غلام مرتضیٰ بنارسی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے حشر ونشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جائے گی۔ نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہماری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو۔ غرض کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی، اس کے منشاء سے ہوتا ہے لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیوں کہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضہ ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جائے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان کی مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرے، بیماری میں شفا خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہے، مقدمات میں کچہری جا کر جج سے وکلاء کے ذریعہ کہے وغیرہ وغیرہ۔ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو اسی لیے مقرر کیا ہے ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کی طالب ہو تو اب باغی ہے کیوں کہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑ کر غیر کو اپنا حاکم مانا۔ بلاشبہ یہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا چھوٹا بڑا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرمادے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علاحدہ علاحدہ محکمے کر دیے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں، اسی طرح انسان کی حفاظت، رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا، ان کی تقدیر لکھنا، مدفون میتوں سے سوالات کرنا، قیامت میں صور پھونکنا، پھر مردوں کو زندہ کر کے محشر قائم کرنا، جنت و دوزخ کا انتظام کرنا، غرض کہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔ اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔

کتب تصوف کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون سا کام ہے؟ اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں، بلکہ آئین سلطنت کا یہی تقاضا ہے، پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا: ”**انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما ذکیا**“ (سورہ مریم آیت ۱۹) یعنی اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں تا کہ تم کو پاک فرزند دوں۔ معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: ”**انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ**“ (سورہ آل عمران آیت ۴۹) یعنی میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے

ہیں۔"قل یتوفیکم ملک الموت الذی وکل بکم"(سورہ سجدہ آیت ۱۱) فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دیں گے جو تم پر مقرر کیے گئے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں،اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں قرآن مقدس میں متعدد مقامات پر فرماتا ہے:"ویذکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ"ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔"ومانقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ'(سورہ توبہ آیت ۷۴)اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ ورسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کردیا۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک فرماتے ہیں۔فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔"خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتذکیھم بھا"(سورہ توبہ آیت ۱۰۳)اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو۔معلوم ہوا کہ وہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہوجائے۔

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں،مال واولاد دیتے ہیں تو بلاشبہ درست ہے کیوں کہ آیات نے یہ بتایا،لیکن مقصد وہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الٰہیہ کے حکام ہیں،رب تعالیٰ نے ان کو دیا وہ ہم کو دیتے ہیں۔مصیبت کے وقت اولیاء اللہ،انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا جس طرح بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔قرآن میں فرمایا:"ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفرلھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔(سورہ نساء آیت ۶۴)اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول والا مہربان پائیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ یہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔اللہ کے مقبول بندے بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا تو یہ نرا شرک ہے دو وجہ سے۔اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر مان کر مدد مانگتے ہیں اس لئے ان کو الٰہ یا شرکا کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلاثۃ یا عین اللہ مانتے ہیں۔مومن ان اولیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا مانتے ہیں جیسے کہ اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معاون ومددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات نہ دیے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں۔لہٰذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔

اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جب کہ عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں۔اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہوتا ہے۔کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء ومحدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے بھی ملتا ہے۔ہم یہاں چند دلائل اختصار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم سے ثبوت:

(۱)وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔(سورہ بقرہ آیت ۲۳)اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلالو۔تو اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورت بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمایتیوں کو بلالو،غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

(۲) قال من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورہ آل عمران آیت ۵۲) بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف؟ حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔ اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

(۳) وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ (سورہ مائدہ آیت ۲) اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ اس آیت میں ایک دوسری کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۴) ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ (سورہ محمد آیت ۷) اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے، اپنے دین کی مدد طلب فرمائی۔

(۵) واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۳) مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر دونوں غیر اللہ ہیں۔

(۵) واعینونی بقوۃ۔ (سورہ کہف آیت ۹۵) تو میری مدد طاقت سے کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔

(۶) موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کی: واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۳۱) اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے وہ کون میرا بھائی ہارون اس سے میری کمر مضبوط کر۔ رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کا سہارا کیوں لیا؟ میں کافی نہیں؟ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمالی معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا بننا سنت انبیاء ہے۔

حدیث سے استمداد بغیر اللہ کا ثبوت:

مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ میں ربیعہ ابن کعب اسلمی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا: ”فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال اَوَ غیر ذالک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود“۔ کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور مانگنا ہے؟ میں نے کہا صرف یہی۔ فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں :اعنی اے ربیعہ تم بھی اس کام میں اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے :واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرد بمطلوب خاص معلوم می شود کہ کارہمہ بدست ہمت و کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ یعنی سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کہ کچھ مانگ لو کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا معلوم ہوا کہ سارا معاملہ حضور ہی کے دست کریمانہ میں ہے جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دے دیں۔

تفسیر کبیر پارہ الم، واذ قال ربک للملٰئکۃ کی تفسیر میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے: ”اعینونی عباد اللہ یرحمکم اللہ“ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔

اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور میں ہے: ”امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جائے۔ ایک بزرگ نے فرمایا

کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبر میں بھی وہی عمل درآمد کرتے ہیں جو کہ زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندوں کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردوں کی امداد زیادہ قوی اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روحوں کو اوراح باقی میں''

شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں:''باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآن غیر واورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است واورا یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکار خانہ اسباب وحکمت اوتعالیٰ در آن نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود ودر شرع نیز جائز و رواست وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اندودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر'' سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر ان اولیاء سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز ہے اور اس قسم کی استعانت بالغیر انبیاء اولیاء نے بھی کی ہے لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مانگنا نہیں ہے بلکہ اسی کی مدد ہے۔

تفسیر کبیر وروح البیان وتفسیر خازن میں سورۂ یوسف زیر آیت فلبث فی السجن بضع سنین ہے: **الاستعانۃ بالناس فی دفع الضرر والظلم جائزۃ**۔ مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث وتفاسیر واقوال ائمہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک وبدعت نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا موقف ہے جبکہ یہ عقیدہ رکھے کہ حقیقی مدد کرنے والا باری تعالیٰ ہے۔ بلکہ خود غیر اللہ سے استمداد کو شرک وبدعت کہنے والوں کے اقوال سے بھی ہمیں ثبوت ملتا ہے۔ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں ایاک نستعین کے تحت لکھتے ہیں:''ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے'' یہی ہمارا دعویٰ ہے اور کوئی مسلمان بھی کسی ولی یا نبی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ ج ۱، کتاب الحظر والاباحۃ میں ایک سوال و جواب ہے: سوال: اشعار اس مضمون کے پڑھنے کیسے ہیں؟

یا رسول کبریا فریاد ہے
یا محمد مصطفی فریاد ہے
مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفی
میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے

الجواب: ایسے الفاظ پڑھنے جلوت اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرمادیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہے''

قصائد قاسمی میں مولوی قاسم نانوتوی یوں رقمطراز ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب، ج ۱، کتاب العقائد والکلام میں ہے:''جو استعانت و استمداد باعتقاد علم وقدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت''

اس سے تو بالکل واضح ہوگیا کہ غیر اللہ سے استمداد بلا ریب جائز ودرست ہے۔ جس کے جواز کے قائل نہ صرف اپنے بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو اس کو شرک وبدعت کہتے ہیں۔

□□□

گستاخان رسول کی سرکوبی کیونکر ممکن؟

از: محمد گلزار احمد خان رضوی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

اللہ تبارک وتعالی نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو ایک مکمل ضابطہ حیات قرآن مقدس دے کر گم گشتگان راہ کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا بتوفیق الٰہی بے شمار انسان آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوکر ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور جو ازلی کافر تھے بغض وعناد کی آگ میں جلتے ہوئے ہمیشہ کے لئے جہنم کی ہولناک وادیوں کے مکیں بن گئے۔

حضور سرور عالم ﷺ کی خوبیاں وکمالات حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالی عنہ نے دور رہتے ہوئے دیکھ لئے لیکن ابوجہل وابولہب وغیرہ قریب رہ کر بھی نہ دیکھ سکے اور ہمیشہ حضور سرور عالم ﷺ کو تکلیف پہنچانے کے جتن کرتے رہے:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

دشمنان اسلام وگستاخان رسول نے جب جب اپنی ناپاک زبانوں کو جنبش دی ہے اللہ رب العزت نے ان کا عبرتناک انجام فرمایا ہے۔ابولہب،اس کا بیٹا عقبہ،ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ کی دردناک ہلاکتیں اہل نظر کے لئے نشان عبرت ہیں۔اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مقدس میں گستاخان رسول کو بڑے سخت لہجے میں جواب دیا ہے،ان پر لعنتیں برسائیں اور دردناک عذاب کی وعیدیں سنائیں ہیں۔چنانچہ سورہ احزاب میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

سورہ فرقان میں فرمایا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظالم على يَدَيْهِ يَقُولُ ياليتني اتخذت مَعَ الرسول سَبِيلاً ياويلتي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلاً

سورۃ القلم میں فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝

سورہ کوثر میں فرمایا:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

قرآن مقدس میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک وتعالی نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی عزت وناموس کا دفاع فرمایا اور تحفظ ناموس رسالت امت مسلمہ پر لازم فرمایا۔

ایک سچا مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے لیکن اپنے نبی کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی برداشت نہیں کرسکتا کہ یہی علامتِ حب رسول ہے اور محبت رسول ہی مدار ایمان ہے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

حضور سرور عالم ﷺ کی ذات مبارکہ امت مسلمہ کے دل کی دھڑکن اور آپ کی محبت ایمان کا جزولازم ہے۔حدیث شریف میں ہے:

"أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ"

آج دنیا کے مختلف گوشوں میں گستاخان رسول اپنی ناپاک فکر لوگوں کے سامنے پیش کررہے ہیں اور مسلم حکمران خاموش تماشائی بنے حکمت ومصلحت کی دہائی دے رہے ہیں اور اپنے تخت وتاج بچانے کی فکر میں لگے ہیں۔امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

"ما بقاء الأمة بعد شتم نبيها"

اس امت کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں اور وہ خاموش رہے (شفا قاضی عیاض)

کعبے کی حفاظت کے لیے ہر بار ابابیل کا لشکر نہیں آئے گا

بلکہ امت مسلمہ کو اپنا ضمیر بیدار کر کے راہ خدا میں اترنا ہوگا مسلم حکمرانوں کو خواب غفلت سے جگانا ہوگا اور اگر مسلم حکمران حرکت میں نہ آئے اور گستاخان رسول کو ان کے کیے کی سزا نہ ملی تو ضرور کوئی نبی کا غلام حرکت میں آئے گا اور گستاخوں کو ان کے انجام تک پہنچائے گا۔

اس وقت امت مسلمہ کو مناسب لائحہ عمل تیار کر کے گستاخوں کی سرکوبی کرنے اور حرمت رسول کی پہرہ داری کے لیے ان امور کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے:

(۱) لوگوں کو کثرت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عشق کے واقعات سنائے جائیں تاکہ جذبہ ایمانی بیدار ہو اور وہ تحفظ ناموس رسالت کے سچے سپاہی بنیں۔

(۲) کفار کے سامنے محبت رسول کے معاملے میں ذرہ برابر ڈھیلا رویہ اختیار نہ کیا جائے تاکہ انہیں یہ اندازہ ہو کہ قوم مسلم سب کچھ برداشت کرسکتی ہے مگر حرمت رسول پر کسی صورت سمجھوتا نہیں کرسکتی۔

(۳) کفار و مشرکین کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا جائے اور ان پر الزاماً کچھ اعتراضات قائم کیے جائیں تاکہ وہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دیوار آہنی پر پتھر پھینکنے کی حماقت نہ کریں۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرنے والوں کا مقصد آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات مقدسہ سے لوگوں کو بیزار کرنا ہے اس لیے ہم پر لازم ہے کہ سیرت نبوی کے مختلف گوشوں کو عام کریں تاکہ دشمن کا مشن خاک میں مل جائے اس کے لیے سنجیدہ لب و لہجے کے مالک باعلم خطباء قلم کار اور انشاء پردازوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(۵) سوشل میڈیا الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا کے ذریعے اسلام اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات کے روشن اور تابناک نقوش کی اشاعت کی جائے۔

(۶) ہمیشہ دفاعی پوزیشن اختیار نہ کی جائے بلکہ گستاخوں کو انہی کے انداز میں جواب دیا جائے اور ان کی کتابوں میں بھرے ہوئے مغلظات اعتراضاً ان کے سامنے پیش کر کے جواب طلب کیا جائے۔

(۷) امت مسلمہ متحد ہو کر گستاخوں کے خلاف آواز بلند کرے کہ جب تک ہم میں انتشار رہے گا ہمارا احتجاج کمزور رہے گا۔

(۸) دنیا بھر کے مسلم حکمرانوں کے پاس ایم ایسیز کے ذریعے یا وفود کی شکل میں پیغام بھیجے جائیں اور انہیں گستاخان رسول کی گستاخیوں اور ان کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان کی غیرت ایمانی بیدار ہو اور وہ مناسب اقدام کریں۔

(۹) جو ممالک گستاخان رسول کی پشت پناہی کر رہے ہیں ان کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے تاکہ وہ معاشی طور پر کمزور ہوں اور گستاخوں کی حمایت بند کریں۔

(۱۰) حکومت وقت سے پرزور اور پرامن تحریک چلا کر مطالبہ کیا جائے کہ وہ گستاخوں کو سزا دے اور اس کام کے لیے علماء و مشائخ کا وفد حاکم وقت کے پاس جا کر اپنے درد اور اپنے جذبات سے آگاہ کرے۔

(۱۱) جو مسلم قائدین حکومتی ایوان میں ہیں وہ اپنے اپنے ایوان میں گستاخان رسول کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اس کے لیے ضروری ہے کہ علماء و مشائخ ان سے مل کر انہیں بتائیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

(۱۲) گستاخان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نازک رگ پر ہاتھ رکھا جائے اور ان کے کالے کارناموں کو اجاگر کیا جائے۔

(۱۳) گستاخان رسول کے ہم مذہب جو لوگ انصاف پسند اور فتنہ و فساد سے دور اسلام کی حقانیت کے معترف ہوں ان کے ذریعے سیرت نبوی اور اسلام کی صحیح تشہیر کرائی جائے تاکہ مکار اور فسادیوں کو لوگ پہچان لیں اور ان کے جھانسے میں نہ آئیں۔

(۱۴) مسلمان تحفظ ناموس رسالت کو اپنے بنیادی فرائض اور اولین ترجیحات میں شامل کریں اس کے لیے تن من دھن اور جان کی بازی لگانے سے بھی پیچھے نہ ہٹیں۔

(۱۵) سب سے اہم یہ کہ مسلمان خود کو سیرت نبوی کے سانچے میں ڈھالیں اپنے لیل و نہار گفتار و کردار اخلاق و اطوار سنوار لیں تو زمانے والے خود انہیں دیکھ کر اسلام کی حقانیت اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کے خوگر ہو جائیں گے۔

□□□

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ: حیات وخدمات

از: افضل مرکزی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

اس خاکدان کی یہ روایت رہی ہے کہ یہاں جب بھی باطل طاقتوں نے سر اُٹھایا تو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کو کبھی نبی ورسول تو کبھی عالم وولی بنا کر بھیجا جنھوں نے یہاں، یہیں سے بے نیاز رہ کر رب العالمین کی دی ہوئی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا اور یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے آنے والوں کی ہدایت کے لئے اپنے نقوش قدم چھوڑے۔ انہی مقربین میں سے ایک ذات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے۔

نام ونسب:

آپ کا نام احمد اور آپ کی کنیت ابو البرکات ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبد الاحد ہے۔ آپ کا نسب اٹھائیس واسطوں سے خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم کی نسبت سے آپ کو فاروقی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے:

حضرت شیخ احمد بن مخدوم عبد الاحد بن زین العابدین بن عبد الحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبد اللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ الواعظ الاصغر بن عبد اللہ الواعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن حضرت عبد اللہ بن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

خاندانی پس منظر:

حضرت مجدد الف ثانی کا آبائی وطن مدینہ منورہ تھا پھر وہاں سے آپ کے آباء واجداد افغانستان کے شہر کابل منتقل ہو گئے۔ آٹھویں صدی ہجری میں فیروز شاہ کے دور حکومت میں آپ کے جد اعلیٰ امام رفیع الدین کابل سے ہندوستان ہجرت کر کے تشریف لائے جنھوں نے سکونت کے لئے پہلے "سنّام" پھر "سرہند" کو منتخب فرمایا۔ امام رفیع الدین اپنے آباء واجداد کی طرح علوم ظاہر وباطن کے جامع تھے اور بہت سے مشائخ سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کے زہد وتقویٰ کو دیکھتے ہوئے حضرت سید جلال الدین بخاری نے آپ کو امام نماز مقرر فرمایا۔

امام رفیع الدین کے صاحبزادے حضرت شیخ حبیب اللہ بھی اپنے زمانہ کے مقربین میں سے تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ محمد اپنے والد کے جانشین مقرر ہوئے۔ شیخ محمد کے فرزند شیخ عبد الحی بھی اپنے وقت کے جید عالم اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ شیخ عبد الحی کے بڑے بیٹے شیخ زین العابدین نے علم وفضل میں اعلیٰ مقام حاصل کیا اور اپنے والد ماجد کی جانشینی سنبھالی۔ حضرت مجدد الف ثانی کے والد ماجد عبد الاحد بھی اپنی علم دوستی کے سبب مشاہیر زمانہ میں شمار تھے اور اپنے زمانہ کے معروف اصحاب طریقت اور صوفیاء سے استفادہ کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی کے خاندان میں بکثرت اولیاء وعلماء گزرے ہیں۔

ولادت باسعادت:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت بتاریخ 14 شوال المکرم 971ھ مطابق 26 مئی 1564ء بروز جمعہ نصف شب کے بعد سرہند شریف ملک ہندوستان میں ہوئی۔

حصولِ تعلیم:

حضرت نے کم عمری میں ہی قرآن مجید کا حفظ کر لیا تھا پھر آپ نے اپنے والد ماجد سے علوم متداولہ حاصل کیے۔ اس کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں مولانا کمال الدین کشمیری سے معقولات کی تحصیل کی اور اکابر محدثین سے فن حدیث میں کمال حاصل کیا۔ آپ سترہ سال کی عمر میں حصولِ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔

تدریسی خدمات:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے والد محترم

کے شاگردوں کو پڑھانا شروع کیا۔ مختلف ممالک سے آنے والے طلباء کو علم حدیث اور تفسیر کا صبح وشام درس دیتے رہے۔ آپ اپنے علم اور تقویٰ کی بناء پر اس قدر مشہور و ہوئے کہ روم، شام، ماوراءالنہر اور افغانستان وغیرہ عالم اسلام کے علماء ومشائخ نے آکر آپ سے اکتساب فیض کیا۔ اکبر آباد (موجودہ آگرہ) مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کا دارالحکومت تھا۔ وہاں کے علمائے کرام کے بارے میں سن کر آپ نے ان حضرات سے ملنے کا ارادہ فرمایا اور آگرہ کے لئے روانہ ہوئے جہاں آپ کی علمی لیاقت کی خوب پذیرائی ہوئی اور علماء ملاقات کے لئے خود ہی حاضر ہونے لگے۔ اس طرح آگرہ میں بھی آپ کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ (سیرتِ امام ربانی، مجد دِالف ثانی، ص60)

شادی:

آپ آگرہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ ایک دن آپ کے والد ملاقات کے لئے وہیں تشریف لے آئے اور وطن واپسی کا کہا۔ والد کی خواہش پر وطن واپسی کے لئے رخت سفر باندھا۔ راستہ میں تھانیسر کے رئیس شیخ حاجی سلطان سے ملاقات کو رُکے، انھی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی۔ (سیرتِ امام ربانی، مجد دِالف ثانی، ص63)

بیعت وخلافت:

آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت وخلافت حاصل ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت خواہش تھی لیکن والد کی خدمت سے آپ فرصت نہ پاتے تھے۔ والد محترم کی وفات کے بعد 1008ھ میں آپ نے زیارت حرمین شریفین کا عزم مصمم کیا اور اکیلے اس مبارک سفر پر روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچنے پر علامہ حسن کاشمیری علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کے سامنے حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کمالات کا ذکر کیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ کے فرد یگانہ تھے اور اللہ نے آپ کو بڑے فضل وکمالات سے نوازا تھا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی آپ سے ملے تو خواجہ صاحب نے آپ کے باطن کو جان لیا اور خانقاہ میں ہی کچھ دن قیام کرنے کو کہا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تو صرف ایک ہفتہ وہاں قیام کا ارادہ کیا تھا لیکن تین ہفتے قیام کیا۔ پھر آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے دست اقدس پر بیعت کرلی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کی باطنی ستھرائی کو دیکھ کر 1009ھ میں خلافت عطا فرمائی اور آپ کے ہمراہ اپنے کچھ معتبر اصحاب سرہند بھیجے۔ (سیرتِ امام ربانی، مجد دِالف ثانی، ص70)

آپ کا علمی مقام:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم مفسر، محدث، مجتہد اور متکلم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے علمائے راسخین میں شمار تھے۔ تفسیر وحدیث کے فن میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کے کمال فن کا اندازہ شیخ بدیع الدین کو بھیجے گئے مکتوبات سے لگایا جاسکتا ہے جن میں آپ نے متشابہات قرآنی اور رموز مقطعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ نے اپنے علمی کمالات سے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا۔ اسی کا ثمرہ تھا کہ آپ کے مریدین وتلامذہ کی بڑی تعداد نے مختلف ممالک میں تبلیغی واصلاحی کارنامے انجام دیے۔

آپ کے تجدیدی کارنامے:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور ظاہری میں ہندوستان کے تخت شاہی پر مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر براجمان تھا۔ بادشاہ کے دربار میں حاضر رہنے والے کچھ نام نہاد درباری مولویوں نے بادشاہ کے سامنے یہ بات رکھی کہ شریعت اسلامیہ پر ایک ہزار سال بیت چکے ہیں اور گزشتہ ایک ہزار سالوں میں دینی تعلیمات واحکامات پرانے ہوچکے ہیں جنھیں تجدید کی ضرورت ہے اور آپ چونکہ مجتہد اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا یہ کام آپ ہی کو کرنا چاہئے۔ اکبر نے ان کی باتوں میں آکر خود کو اعلیٰ جانا اور ”دین الٰہی“ کے نام سے ایک نئے مذہب کی اساس ڈالی جس میں بہت سی خلاف شرع باتیں (مثلاً سورج کی پرستش، سجدۂ تعظیمی کا رواج، سور اور شراب کی حلت، دوسری شادی کی حرمت وغیرہ) شامل کردیں جس کے نتیجہ میں اسلام کو بڑا خطرہ لاحق ہوا اور

ہر چہار جانب قسم قسم کی بدعات و منکرات فروغ پانے لگے۔

اس وقت کے علماء و صوفیاء نے بادشاہ کی چاپلوسی میں درباری مزاج کو بھانپ کر اسلامی تعلیمات کے ضمن میں بہت سی غیر ضروری چیزیں شامل کر دیں جن میں یونانی فلسفہ اور مشرقی رسومات و مروجات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صوفیاء کہلانے والے لوگوں نے بھی فنا، بقا اور لقا کے غیر شرعی معانی وضع کر لیے تھے، اپنے لئے لوگوں سے سجدۂ تعظیمی کرواتے تھے، اوراد و وظائف کی آڑ میں فرائض و واجبات سے نہ صرف خود دور رہتے تھے بلکہ امت کو بھی وظائف کی ترغیب دلا کر فرائض و واجبات سے دور کرتے تھے۔ ان سب کی وجہ سے اسلامی تعلیمات اور تصوف کی اصل روح مٹنے لگی اور ایسی خرافات رائج ہو گئیں جن کا نہ تو مذہب سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی عقل سے، بلکہ یہ سب محض دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تمام تر برائیوں کے خلاف کمربستہ ہوئے اور اللہ کی رحمت کو اپنا سہارا بنا کر خود شریعت کی بجھتی ہوئی لو کا سہارا بنے۔ اکبر کے دور میں آپ نے اپنی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کو خفیہ رکھتے ہوئے کام کیا، اپنی تحریروں کے ذریعہ درباری علماء کو غیر شرعی باتوں سے اجتناب کرنے کو کہا، انہیں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روبرو کرایا، دنیوی بادشاہ کی غلامی سے نفور رہ کر بادشاہِ حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کی تلقین کی۔ صوفیاء کو اصل شریعت و طریقت اور تصوف کی جانب متوجہ کیا، ان سب کو فنا، بقا اور لقا کے اصل مطالب بتائے، انہیں بتایا کہ صرف اوراد و وظائف ہی کافی نہیں، بلکہ فرائض و واجبات کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے۔ نیز انہیں اس بات کی بھی تلقین کی کہ اپنے مریدوں سے سجدۂ تعظیمی نہ کروائیں کہ یہ حرام ہے، تصوف کے ساتھ ساتھ فقہ کی کتابوں کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی۔ اور اس طرح آپ نے نام نہاد دین الٰہی کے خلاف اپنا قلمی و لسانی جہاد جاری رکھا۔ (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر 260)

اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا، تاہم دین الٰہی کو شاہی حمایت حاصل تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے حالات کو بھانپ کر اپنا مشن عام کر دیا اور حکومتی وزراء و امراء کو مکتوبات لکھے کہ وہ لوگ اس نام نہاد دین الٰہی سے بیزاری کا اظہار کریں اور صحیح معنوں میں اسلام کو جاننے کی کوشش کریں۔ آپ نے جہانگیر بادشاہ، اس کے معاونین اور مشیران کو مکتوبات لکھ کر بادشاہ کی اسلامی تعلیمات کے مطابق ذہن سازی کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ سیر صدر جہاں، خان جہاں اور شیخ فریدی بخاری وغیرہ نے اس سلسلہ میں بڑا کردار نبھایا نتیجۃً خود جہانگیر نے مجلس شرعی کے قیام کی خواہش ظاہر کی۔ اس بارے میں حضرت مجدد الف ثانی نے شیخ فریدی بخاری کو مکتوب لکھا کہ اس مجلس میں صرف متقی علماء شامل کیے جائیں۔ (مکتوبات امام ربانی، ملخص مکتوب نمبر 47)

چنانچہ آپ کے کہنے کے مطابق ہی ہوا، نیک اور متقی علماء پر مشتمل ایک شرعی مجلس کا قیام عمل میں آیا اور جہانگیر بھی اسلامی تعلیمات کی طرف مائل ہوا لیکن چونکہ اکبر کے قائم کردہ نام نہاد دین الٰہی سے علمائے سوء کی ایک بڑی جماعت عیش کرتی تھی اور حضرت مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں سے علمائے سوء کو گزارے تک کے لالے پڑ گئے۔ لہٰذا ان لوگوں نے جہانگیر کے کانوں میں یہ بات ڈالی کہ سرہند کا ایک شیخ زادہ خود کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برتر اور افضل سمجھتا ہے اور اس کے متعدد کفریہ دعوے ہیں، اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے جس سے آپ کی بادشاہت کے لئے بڑا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے"۔ جہانگیر نے ان لوگوں کی باتوں میں آ کر حضرت مجدد الف ثانی کو اپنے شاہی دربار میں طلب کیا جہاں آپ نے ان کے تمام اعتراضات کے اطمینان بخش جوابات دیے اور مکمل وضاحت پیش کی تو بادشاہ مطمئن ہو گیا۔ لیکن اسی آن ایک وزیر نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کو کہا کہ "آنجناب حاکم وقت ظل الٰہی اور خلیفۃ اللہ ہیں لیکن ان حضرت نے سجدہ تعظیمی تو دور، مناسب طریقہ پر آپ کی عزت افزائی بھی نہیں کی جس پر مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ یہ پیشانی غیر اللہ کے سامنے ہرگز نہیں جھکے گی۔ اس پر بادشاہ طیش میں آ گیا اور 1018ھ میں

آپ کو گوالیار کے قلعہ میں محصور کر دیا۔

قلعۂ گوالیار میں آپ ایک سال کی مدت تک اسیر رہے لیکن دوران قید بھی آپ اپنا فریضہ نہ بھولے، قید میں رہ کر قیدیوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے۔آپ کے تبلیغی کارناموں کی وجہ سے قیدیوں کی بڑی تعداد اسلام میں داخل ہوئی۔ بادشاہ وقت جہانگیر نے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو رہا کرنے کا فیصلہ لیا۔لیکن حضرت مجدد الف ثانی کو اسیری یا رہائی سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنی رہائی کے لئے بادشاہ کے سامنے مندرجہ ذیل شرطیں رکھیں:

- ☐ دین الٰہی کے غیر شرعی اصول کالعدم قرار دیئے جائیں اور اسلامی شریعت نافذ کی جائے۔
- ☐ سجدہ تعظیمی ختم کر دیا جائے۔
- ☐ گائے کے ذبیحہ کی اجازت دی جائے۔
- ☐ مسمار مساجد کی ازسرنو تعمیر کی جائے۔
- ☐ ہر شہر اور قصبہ میں مدارس و مکاتب قائم کیے جائیں۔
- ☐ کفار پر جزیہ مقرر ہو، وغیرہ۔

بادشاہ وقت جہانگیر آپ کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکا، بالآخر اس نے آپ کی تمام شرطوں کو قبول کیا اور اس طرح آپ قید سے رہا ہوئے۔

(تذکرہ مشائخ عظام از ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ص386 تا388)

وصال:

حضرت مجدد الف ثانی کو 1033ھ میں سانس کی پریشانی (دمہ نامی بیماری) لاحق ہوئی جو روز بروز بڑھتی گئی۔ بالآخر تریسٹھ سال کی عمر میں بتاریخ 28 صفر المظفر 1034ھ مطابق 10 دسمبر 1624ء بروز منگل آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد سعید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کا مزار پرُانوار سرہند شریف میں مرجع خلائق ہے۔

اولادیں:

آپ کی کل 10 اولادیں ہیں جن میں سات بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔سب اولادوں کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(صاحبزادے) خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم، خواجہ محمد فرخ، خواجہ محمد عیسیٰ، خواجہ محمد اشرف، خواجہ محمد یحییٰ۔

(صاحبزادیاں) بی بی رقیہ بانو، بی بی خدیجہ بانو، بی بی ام کلثوم

تصنیفات:

یوں تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی خدمات کا ایک عالم معترف ہے۔لیکن وہ تصنیف جس کے حصے میں غیر معمولی شہرت آئی وہ مکتوبات امام ربانی ہے۔آپ کے قلم سے متعدد کتب و رسائل بھی معرضِ وجود میں آئے۔جن میں مبدء و معاد، معارف لدنیہ، اثبات النبوۃ، مکاشفات غیبیہ، تعلیقات عوارف، آداب المریدین، رسالہ در مسئلہ وحدت الوجود، رد الرفضہ، رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ جذب و سلوک، اثبات و ثبوت، شرح رباعیات، رسالہ در علم حدیث وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان سب میں سے کچھ تو مطبوعہ ہیں اور بقیہ کا تذکرہ آپ کی سوانح میں ملتا ہے۔

(جہان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، اقلیم پنجم صفحہ 95)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل حیات ہم لوگوں کے لئے نمونۂ عمل ہے۔جس طرح آپ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے بادشاہِ وقت کو بھی خاطر میں نہ لائے، بلکہ قید و بند میں رہ کر بھی اپنی دینی ذمہ داری ادا کرتے رہے، ہمیں اس سے سبق لینا چاہئے اور اپنے اندر حق گوئی و بے باکی پیدا کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہم سب کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات سے سبق حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔آمین!

☐☐☐

حسد کی تباہ کاریاں!

ماخوذ از: ذکریٰ للذاکرین، مصنفہ حضرت شیخ صالح قادری حفظہ اللہ، شیخ الحدیث جامعۃ الرضا، بریلی شریف

حسد اور کپٹ سے نیکی چوپٹ!

فقیہ ابواللیث سمرقندی (یعنی مصنف) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ محمد ابن فضل کی تحدیث وسند نقل کرکے بطریق حضرت یزید رقاشی، حضرت امام حسن بصری (علیہ الرحمہ) سے روایت لائے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ الغِلَّ و الحَسدَ یَاکُلانِ الحَسناتِ کَماتَاکُلُ النارُ الحَطَبَ"۔ (ترجمہ) بے شک کینہ کپٹ اور حسد (یہ دونوں بری خصلتیں) نیکیاں اس طرح چٹ کرجاتی ہیں جس طرح لکڑی کو آگ بھسم کردیتی ہے۔

بدگمانی، بدفالی اور حسد سے بچنے کی تدبیر

اور (شیخ مذکور نے) اسی اسناد کے ساتھ، ابراہیم ابن عُلَیَّہ سے نقل کیا، وہ عبادہ ابن اسحاق سے وہ عبدالرحمٰن ابن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثلاثۃ لا ینجومنھن احدٌ:الظنُّ والحسدُ والطیرۃ. قیل یا رسول اللہ وما ینجی منھن؟قال اذا حسدتَّ فَلا تَبغِ و اذا ظننتَ فلا تُحقِّقْ و اذا تَطیَّرتَ فامْضِ (اوقال لا ترجع)" (ترجمہ) یعنی تین بُری خصلتیں ایسی (شائع و ذائع یعنی عام) ہیں جن سے کسی بھی (عامی) کو نجات نہیں مل پاتی ہے: (۱) گمان کرنا۔ (۲) حسد کرنا۔ (۳) اور بدشگونی ماننا۔

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اور ان سے نجات کی کیا تدبیر ہے؟ ارشاد فرمایا: جب تیرے دل میں کسی کے لئے حسد پیدا ہو تو (زیادہ) آگے مت بڑھ۔ اور جب کسی کے لئے تیرے دل میں گمان قائم ہو اسے (قول یا فعل) سے متحقق نہ کر۔ اور جب کوئی بدشگونی تیرے دل میں آئے تو (اس کا اثر مت لے بلکہ) جہاں تو جا رہا تھا چلا جا (یا فرمایا) مت لوٹ۔

(حضرت مصنف نے کہا) قولہ علیہ السلام: "اذا حسدتَ فلا تبغ" کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے دل میں حسد کا وقوع ہو تو (اسے دل ہی میں رہنے دو، اپنے قول یا فعل سے) اس کا اظہار مت کرو، اور نہ محسود کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں فرمائے گا جو تمہارے دل میں آیا جب تک کہ تم نے اس کے متعلق نہ زبان سے کچھ بولا ہو اور نہ عملاً کچھ کیا ہو۔

اور قولہ علیہ الصلاۃ والسلام: "اذا ظننتَ فلاتُحَقِّقْ" کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں کسی مسلم کے متعلق کوئی بدگمانی ہوئی تو اسے حقیقت، مت ٹھہراؤ جب تک کہ آنکھ سے نہ دیکھ لو (یعنی جب تک کہ پکا ثبوت فراہم نہ ہولے)۔

اور قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "اذا تطیَّرتَ فامضِ" سے مراد یہ ہے کہ جب تم کہیں جانے کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کیا، اتنے میں (بدشگونی کی کوئی بات تمہارے سامنے آگئی مثلاً) تم نے اُلّو کی آواز یا عقعق (بڑا کوّا) کی بولی سن لی۔ یا تم نے اپنے جسم کا کوئی حصہ (آنکھ وغیرہ) کا پھڑکنا دیکھ لیا تو (ان باتوں سے بدفالی مت لو بلکہ) جارہے ہو چلے جاؤ۔ ارادہ ملتوی مت کرو (اور اللہ پر بھروسہ رکھو)۔

حسنِ معاشرت کی تعلیمِ نبوی

مصنف علیہ الرحمہ باسناد تام، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَاناً"۔(ترجمہ)"تم آپس میں نہ ایک دوسرے سے نفرت رکھو، نہ باہم حسد کرو نہ ایک دوسرے کے لئے کھوٹے بنو(نقصان پہنچانے کی تدبیر نہ کرو)اور اللہ کے بندے، بھائی بھائی بن کر رہو"۔

[بخاری ،مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بھی قدرے فرق کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے۔مترجم]

حسد کے شر سے محفوظ رہنے کا عجیب وغریب نسخہ

مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک بیٹے سے،(نصیحت کرتے ہوئے) کہا:"اِيَّاكَ وَالحَسدَ"حسد کرنے سے بچ،اس کو اپنے قریب مت آنے دے کیونکہ حسد دشمن کے اندر بعد میں پیدا ہوگا، پہلے تیرے دل میں ظاہر ہوگا(یعنی جو یہ چاہتا ہو کہ دشمن کے حسد کے شر سے بچا رہے تو اسے یہ تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ پہلے خود کسی سے حسد نہ کرے۔سبحان اللہ یہ کتنا اچھا حکیمانہ نسخہ ہے شرِّ حاسد سے محفوظی کا)

حاسد کے لئے نقد پانچ سزائیں

فقیہ(یعنی مصنف) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:"ليس شئ من الشر اضر من الحسد" کوئی فرد شر،(حاسد کے لئے اپنے) حسد سے زیادہ مضر نہیں ہے، کیونکہ حاسد کو فوراً پانچ سزائیں ضرور مل جاتی ہیں اس سے پہلے کہ محسود کو کوئی ناپسندیدہ چیز درپیش آئے:

(۱)ایسا غم جو منقطع نہ ہو۔

(۲)ایسی مصیبت کہ جس پر ثواب نہیں۔

(۳)نری مذمت کہ جس کے ساتھ تعریف کا نام ونشان نہیں۔

(۴)حاسد پر اللہ کی ناراضی کا وبال۔

(۵)اور اس پر توفیق کے دروازوں کی بندش۔

حاسد، گویا اللہ کی نعمتوں کا دشمن ہے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أَلا انَّ لِنِعَمِ اللّٰهِ اعْدَاءً، قيل:مَنْ اَعْدَاءُ اللّٰهِ يا رسول اللّٰه؟قال الذين يحسدون الناس علىٰ ما اٰتاهم الله من فضله"۔(ترجمہ)خبردار!ہوشیار!بے شک اللہ کی نعمتوں کے لئے کچھ دشمن ہیں۔عرض کیا گیا: یا رسول اللہ!اللہ کی نعمتوں کے دشمن کون لوگ ہیں؟فرمایا:وہ ہیں جو دوسروں سے حسد کرتے(جلتے) ہیں ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہیں۔

حاسدوں، کی گواہی کا حکم،قول مالک ابن دینار:

منقول ہے کہ حضرت مالک ابن دینار(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا: میں قرّاء کی(یعنی حُفّاظ وعلماء) کی گواہی ساری خلق پر نافذ کردوں، جائز مان لوں مگر ان کی گواہی ان کے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جو ہو وہ میں قبول نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ میں انہیں پاتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے حاسد ہیں۔

حدیث شریف:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ لوگ(یعنی چھ طبقے)، چھ(باتوں) کی وجہ سے، قیامت کے دن قبل حساب ہی دوزخ میں جائیں گے۔عرض کیا گیا:حضور!وہ کون کون ہیں؟فرمایا:(۱)میرے بعد ہونے والے ظالم حکمراں اپنے ظلم و جور کے سبب۔(۲)عربی النسل قومیں تعصب کی وجہ سے۔(۳)دہقانی (بادیہ نشین) اپنے کبر ونخوت کی وجہ سے۔(۴)اہل تجارت، اپنی خیانت کی وجہ سے۔(۵)اور اہل رستاق (اہل دیہات یعنی مستقل آبادی والے دیہاتی) اپنی جہالت (بے علمی) کی وجہ سے۔

(۶) اور اہل علم (باہمی) حسد کے سبب۔

(مصنف علیہ الرحمہ نے کہا) علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو باہمی حسد کے ساتھ طلب دنیا (کی ہوڑ) میں مبتلاء ہیں۔لہٰذا بندے کو چاہیے کہ علم دین کی تحصیل اس لئے کرے کہ اسکے ذریعہ طالب آخرت ہو۔تو جب عالم، اپنے علم سے آخرت کا طالب ہوگا وہ کسی سے حسد نہیں کرے گا اور نہ اس سے اور کوئی کرے گا۔اور جس نے طلب دنیا کے لئے علم سیکھا تو وہ بے شک حاسد ہوگا جیسا کہ (قرآن مجید میں) اللہ تعالیٰ علمائے یہود کی بابت فرماتا ہے:

{أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ}[سورۂ نساء۔آیت:۵۴]

''یا وہ جو، لوگوں سے جلتے ہیں ان نعمتوں پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل (وکرم) سے دی ہیں''۔

شان نزول:

بات یہ ہے کہ علمائے یہود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے حسد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر وہ اللہ کے رسول ہوتے تو زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے میں مشغول نہ ہوتے۔اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ کا نزول ہوا۔

حکیمانہ تحذیر:

بعض حکماء نے فرمایا: نہ حسد کو اپنے پاس پھٹکنے دو اور نہ تم اسکے قریب جاؤ (یعنی اس سے بہت بچو)

کیونکہ یہ سب سے پہلا جرم ہے جس کے ساتھ آسمان میں اللہ کی معصیت کا وجود ہوا۔اور زمین پر بھی سب سے پہلے اسی معصیت کا صدور رہوا۔مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم دیا تھا تو ابلیس نے حسد کی وجہ سے نافرمانی کی کہ سجدہ کرنے سے رکا رہا اور بولا: تونے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔تو اسی حسد کی وجہ سے وہ اللہ کی لعنت (وناراضی) کا مستحق ہوا،اور رہی زمین میں سب سے پہلی معصیت تو وہ قابیل نے کی،(اس کا بھی صدور حسد کی وجہ سے ہوا کہ) اپنے بھائی ہابیل کو بوجہ حسد کے قتل کیا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ... (الی)... مِنَ الْمُتَّقِينَ} [مائدہ:۲۷]

انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر۔جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی،بولا قسم ہے میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا،اس نے کہا اللہ تو تقوے والوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

چھ لوگ، چھ نعمتوں سے محروم:

مروی ہے کہ حضرت احنف ابن قیس (علیہ الرحمہ) نے کہا:

(۱) حاسد کے لئے راحت نہیں۔(۲) بخیل کے لئے وفا نہیں۔(۳) جو ہر وقت مَلول (بے وجہ رنجیدہ) رہتا ہو،اس کا کوئی دوست نہیں۔(۴) جو جھوٹ بولنے کا عادی ہو، اسکے پاس مروت نہیں۔(۵) جو خائن ہو، اس کی رائے، رائے نہیں (یعنی اس کی رائے لائق اعتماد و قابل لحاظ نہیں) (۶) اور جو بداخلاق ہو،اس کے لئے سرداری نہیں۔

(تو ان مذموم و مضر خصلتوں ڈھنگوں سے آدمی کو بچنے کی کوشش کرنی لازم ہے)

بے چارے حاسد پر ترس آتا ہے:

بعض حکماء نے کہا: میں نے کوئی ظالم ایسا نہیں دیکھا جو مظلوم کے مشابہ ہو بجز حاسد کے۔(یعنی حاسد جو کہ اپنی اس خصلت بد میں مبتلا اور بیمار ہے قابل رحم لگتا ہے،اس پر ترس آتا ہے کہ کاش یہ اس بیماری سے شفایاب ہو جاتا)

□□□

رسالہ "اجلی الاعلام بان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام": ایک مطالعہ

از: شکیل احمد رامپوری، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

فتوی دینا نہایت ہی مہتم بالشان کام ہے جس کی عظمت و اہمیت اس سے واضح ہے کہ یہ سنتِ الہیہ وسنتِ نبویہ ہونے کے ساتھ ساتھ اجلہ صحابہ کرام وتابعین عظام کا اہم مشغلہ بھی رہا ہے، مگر فتوی دینا نہایت ہی نازک واہم ترین کام بھی ہے اس سلسلہ میں بے باکی بڑے خسارے کی بات ہے، جیسا کہ ابوداود شریف میں ہے " **من افتی بغیر علم فھو علی من افتاہ**" (ابوداود ۳۶۵۷) یعنی جو بغیر علم کے فتوی دے اس کا گناہ اسی مفتی پر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتوی تین اشخاص دیتے ہیں: ایک وہ جسے ناسخ ومنسوخ کا علم ہو، دوسرا وہ امیر جس میں خدا کا خوف نہ ہو، تیسرا بے وقوف احمق بناوٹ کرنے والا فتوی دیتا ہے۔ (مسند دارمی مقدمہ باب ۲۱ حدیث ۱۷۵)

جب اقوال مختلف ہوں تو مفتی کو مطلقا قول امام پر فتوی دینا ہے اسی سلسلے میں اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کے اس رسالہ جلیلہ مبارکہ کے تمام مشمولات تیرپین صفحات کو گھیرے ہوئے ہیں ہے۔

امام اہلسنت نے اس رسالہ کو ۱۳۳۴ھ میں رسم افتاء سے متعلق تحریر فرمایا اس رسالہ میں امام نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ کسی مفتی کو جائز نہیں کہ وہ امام اعظم کے قول کے خلاف فتویٰ دے اس لئے صاحبین یا ان میں کسی کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور فقہ کی متعدد کتابوں سے اس امر عظیم کی تحقیق انیق پیش کی ہے کہ فتوی مطلقا ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے چنانچہ بحر کے کتاب القضاء کے شروع میں یہ بیان فرمایا کہ مفتی مطلقاً قول امام پر فتویٰ دے گا **مانصہ: الافتاء بقول الامام و ان لم تعلم من این قال۔** جس سے دعویٰ مذکور ثابت ہوتا ہے اس کے بعد اس اعتراض کو ذکر کیا ہے کہ بسا اوقات صاحبین میں سے کسی کے قول پر فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے کہ مشائخ کرام قول غیر امام پر فتویٰ دیتے تھے تو اس کے جواب میں اعلی حضرت نے سات مقدمے بیان فرمائے ان مقدموں کے بیان کرنے سے قبل صاحب بحر کے **قول الفتوی علی قول الامام** پر علامہ شامی کی تحقیق بحر کا تعاقب ذکر کیا ہے کہ صاحب بحر کا قول جمیع صور کو محیط نہیں ہے کیونکہ مشائخ کرام غیر قول امام پر فتوی دیتے تھے اگر چہ اس کا جواب بھی صاحب بحر نے ذکر کیا ہے جس کو امام اہل سنت نے یوں بیان کیا ہے: "**وھو انھم نقلوا عن اصحابنا انہ لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا**" کہ مشائخ کے قول غیر امام پر فتوی دینے کی وجہ یہ تھی کہ مشائخ کرام نے امام اعظم سے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ امام نے خود فرمایا ہے کسی مفتی کیلئے اس وقت تک فتوی دینا جائز نہیں ہوگا جب تک وہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے بات کی ہے اسی بنا پر امام عصام امام اعظم کے قول کے خلاف اکثر فتوی دیتے تھے کیونکہ ان کو امام کی دلیل معلوم نہ ہو پاتی اور دوسرے کی دلیل ظاہر ہو جاتی تھی تو اسی قولِ غیر پر فتویٰ دیتے تھے لیکن امام اہلسنت نے اس کے تحت یہ ذکر فرمایا کہ قول امام پر فتوی دینے کے جواز کی شرط مذکور ان کے زمانے کے ساتھ خاص تھی ہمارے زمانے میں حفظ دلیل پر اکتفا کیا جائے گا لہذا قولِ امام پر فتویٰ دینا جائز ہوگا اگر چہ یہ معلوم نہ ہو کہ امام نے کہاں سے یہ بات کہی جس کو یوں تعبیر کیا گیا ہے: "**تجب علینا الافتاء بقول الامام و ان لم تعلم من این قال**" پھر امام اہلسنت نے صاحب بحر کے قول مذکور پر علامہ خیر الدین الرملی کا اعتراض ذکر کیا کہ محقق بحر کا قول مذکور امام اعظم کے قول سابق: **لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا**" کیونکہ یہ قول غیر مجتہد کیلئے فتوی دینے کے عدم جواز میں صریح ہے تو مطلقاً قول امام پر فتویٰ دینے کے

لئے استدلال کیا جا سکتا ہے پھر اس کا جواب بھی ذکر کیا ہے کہ جو غیر اھل سے صادر ہوتا ہے وہ در حقیقت فتوی نہیں ہوتا ہے وہ تو مجتہد کے قول کی صرف حکایت ہوتی ہے ہر حال میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس قول پر فتوٰی ہوتا ہے وہ در حقیقت قول امام سے ہوتا ہے قول صوری نہ سہی قول ضروری تو ضرور ہوتا ہے اور اس بات سے پردہ ہٹانے کیلئے **سات مقدمات** کو بیان فرمایا ہے۔

مقدمہ اولی: اس میں فتوی کے معنی کی وضاحت کی ہے کہ فتوی محض کسی قول کی حکایت نہیں ہے کیونکہ ہم بسا اوقات مذہب سے خارج اقوال بیان کرتے ہیں اور کسی کا وہم بھی اس بات کی طرف نہیں جاتا ہے کہ ہم ان اقوال پر فتوی دے رہے ہیں بلکہ اس بات کا نام ہے کہ آپ کسی چیز پر اعتماد کر کے اپنے سائل کے سوال کے تعلق سے حکم شرع بیان کریں اور یہ چیزیں دلیل شرعی کی پہچان کے بعد ہو سکتی ہیں ورنہ اللہ تعالی پر افترا ہوگا العیاذ باللہ۔

مقدمہ دوم: دلیل دو طرح کی ہوتی ہے (۱) تفصیلی اس سے آگاہی اہل نظر و اجتہاد کا خاص حصہ ہے کیونکہ اگر کوئی مجتہد کی دلیل کو کسی مسئلہ میں جانتا ہے تو وہ صرف تقلید کے طور پر جانتا ہے۔ (۲) اجمالی، جیسے باری تعالی کا ارشاد ہے: **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون و قولہ تعالی اطیعو اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں اور ارشاد ہے، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب امر ہیں۔

تیسرا مقدمہ: یہ اہل نظر کے تقلید غیر کی ممانعت کے سلسلے میں ہے یعنی جمہور کے نزدیک اگر ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید دلیل تفصیلی کو جانے بغیر کر رہا ہے تو یہ تقلید حقیقی ہے جو ممنوع و مذموم ہے عامی کے برخلاف اس کا دلیل تفصیلی کو نہ جاننا اس پر تقلید کو واجب کرتا ہے۔

چوتھا مقدمہ: اس میں فتوی کی دو قسمیں ذکر فرمائیں ہیں ایک حقیقیہ دوسری عرفیہ فتوی حقیقیہ تفصیلی دلیل کو پہچان کر فتوی دینا ہے اور انہیں لوگوں کو اصحاب الفتوی کہا جاتا ہے جیسا کہ فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابو اللیث وغیرہ فتوی عرفیہ عالم کا اقوال امام کی خبر دینا امام کی تقلید کرتے ہوئے تفصیلی دلیل کی پہچان کے بغیر جیسا کہ فتاوی ابن نجیم فتاوی خیریہ فتاوی رضویہ وغیرہ

پانچواں مقدمہ: اس میں معرفت قول کا بیان ہے کہ قول دو طرح کے ہوتے ہیں قول صوری و قول ضروری اول منقول کا نام ہے ثانی وہ ہے جس کو قائل نص کے طور پر نہ کہے لیکن اس کو عام حکم ضروری کے ضمن میں کہے اور بسا اوقات حکم ضروری حکم صوری کے مخالف ہوتا ہے تو اس وقت حکم ضروری سے فیصلہ کیا جاتا ہے اسی مقدمہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ فتوی قول امام پر ہی ہوتا ہے قول صوری پر نہ کسی قول ضروری پر ضرور ہوتا ہے اس کے بعد وہ چھ باتیں بیان فرمائی ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے لہذا قول ظاہر کے خلاف پر عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں یہ ہیں: ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں حقیقۃ قول امام ہی پر عمل ہوتا ہے ان صورتوں میں تغیر زمان کی وجہ سے حکم بدل جاتا ہے اور حکم کی تبدیلی مذہب امام سے ضروری نہیں ہے کیونکہ صاحب مذہب اگر اس زمانے میں ہوتا تو یہی حکم دیتا جیسا کہ عورتوں کا جماعت و جمعہ و عیدین میں حاضر ہونا زمانہ رسالت میں حکم تھا اور اب مطلقا منع ہے امام اہل سنت نے فرمایا کہ نص شارع میں اس کی نظیر موجود ہے: **فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعنھا رواہ احمد والبخاری ومسلم وفی لفظ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ رواہ احمد و مسلم** لیکن اس اجازت کے باوجود ائمہ کرام نے جوان عورتوں کو مطلقاً جماعت و جمعہ و عیدین میں حضوری کو منع فرمایا اور بوڑھی عورتوں کو دن میں حضوری سے منع فرمایا پھر نہی کو عام رکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول ضروری کی بنیاد پر جو ام

المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول: **لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رأی من النساء مار أینا لمنعهن من المسجد كما منعت بنو اسرائیل نساءها رواہ احمد و البخاری و مسلم۔**

چھٹا مقدمہ: اس میں قول امام سے عدول کے حاصل آخر کا بیان کیا ہے جو اصحاب نظر کے ساتھ خاص ہے یعنی اصحاب نظر کی نظر میں امام کی دلیل اگر کمزور ہے تو قول امام سے عدول کر سکتے ہیں لیکن اس عدول کی بنیاد پر وہ اتباع امام سے نہیں نکلیں گے بلکہ وہ امام کے قول عام "**اذا صح الحدیث فھو مذھبی**" کے پیروکار ہونگے ابن شحنہ کی شرح ہدایہ، پھر بیری کی شرح اشباہ پھر ردالمحتار وغیرہ میں ہے جب حدیث صحیح ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل ہوگا اور وہی امام کا بھی مذہب ہوگا اس پر عمل کی وجہ سے ان کا مقلد حنفیت سے باہر نہ ہوگا۔

ساتواں مقدمہ: اس میں اس بات کو بیان فرمایا کہ جب تصحیح مختلف ہو تو امام کے قول کو مقدم کیا جائے گا اور مختلف کتب فقہیہ سے اس کو ثابت کیا ہے چنانچہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے: **اذا اختلف التصحیح اخذ بما ھو قول الامام لانہ صاحب المذھب**۔ فتاوی خیریہ میں ہے: **المقرر عندنا انہ لا یفتی و لا یعمل الا بقول الامام الاعظم و لا یعدل عنہ الی قولھما او قول احدھما او غیرھما الالضرورۃ**۔ ہمارے نزدیک یہ امر ثابت ہے صرف اور صرف قول امام پر فتوی دیا جائے گا اور امام اعظم کے قول پر ہی عمل کیا جائے گا اسے چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک، یا کسی اور کے قول کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا ہاں اگر کوئی ضرورت داعیہ ہے تو عدول کیا جائے گا۔

بہر حال بیان کئے گئے سات مقدمات کا مقصد یہ ہے کہ فتوی قول امام پر ہوتا ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف تصریح کریں ان مقدمات میں اسی بات کا جواب پیش کیا گیا کہ اگر مشائخ کرام صاحبین کے قول پر فتویٰ کی تصریح کریں تب بھی امام کے قول صوری پر فتویٰ نہ سہی قول ضروری پر فتویٰ ضرور ہوتا ہے اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے مقدمہ اولی اور ثانیہ کے بعد تقلید سے متعلق ایک نہایت جامع مقالہ ذکر کیا ہے جس میں عہد صحابہ سے لیکر ہر دور میں تقلید کا ثبوت ہے اور غیر مقلدین پر اعتراضات کا ذکر کیا ہے اور آخری بات یہ بھی ارشاد فرمائی ہے کہ اگر تقلید نہ مانی جائے تو پھر انہی نصوص پر عمل ہو سکے گا جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہوں باقی بالائے طاق اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدھے چوتھائی دین پر بھی عمل قائم نہیں رہ سکتا ہے العیاذ باللہ کیونکہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونا چند نصوص و روایات ہی کی شان ہے اور ساتھ ہی تقلید شرعی مذموم و تقلید عرفی ضروری کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا: **ان اخذنا باقوال امامنا لیس تقلیدا شرعیا لکونہ عن دلیل شرعی انما ھو تقلید عرفی لعدم معرفتنا بالدلیل التفصیلی**۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اپنے امام کے اقوال کو تسلیم و قبول کرنا تقلید شرعی نہیں، کیونکہ اس کو دلیل شرعی درکار ہوتی ہے یہ تو بس تقلید عرفی ہے اس لئے کہ ہم دلیل تفصیلی کو نہیں جانتے۔ اور تقلید حقیقی کی کوئی راہ نہیں ہے اور جہاں تقلید کو مذموم ٹھہرایا گیا ہے وہاں تقلید حقیقی مراد ہے اور گمراہ گر فرقے عوام کو تلبیس میں مبتلا کرتے ہیں اور تقلید حقیقی کو تقلید عرفی ٹھہراتے ہیں جو کہ فرض شرعی ہے۔ اس بحث کے آخر میں مدقق بہاری نے "مسلم الثبوت" میں جو تقلید کی تعریف ذکر کی ہے "**التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ**"۔ اس کے بعد صاحب "فواتح الرحموت" نے محقق کی عبارت کی شرح فرمائی ہے اسی شرح پر اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے سات طریقوں سے ایرادات قائم فرمائے ہیں اور پھر تقلید کے باب میں اپنی تحقیق انیق پیش فرمائی ہے۔

□□□